# سرمایہ داری نظام اور میڈیا

تحریر: سہیل احمد لون

انسان علم و ہنر، فکر و سوچ، مشاہدہ اور تحقیق کرنے صلاحیتوں سے مالا مال ہونے کی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات سے افضل ہے ورنہ کھانا، پینا، سونا، افزائش نسل اور اپنی نسل کو زندہ رہنے کے اصول جیسی جبلتیں تو حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انسان کی سوچ کو تبدیل کرنا یا کنٹرول کرنا مشکل ترین کام ہے اس کام کے لیے میڈیا موزوں ترین آلہ ہے۔ اب روایتی جنگوں سے زیادہ میڈیائی جنگ پر دھیان دیا جاتا ہے جو اس میڈیا کی جنگ اچھے طریقے سے لڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے دنیا میں اپنا مؤقف بہتر طور پر منوالیتا ہے یعنی عالمی سوچ کو تبدیل کرنے کا بہترین ہتھیار میڈیا ہے۔ بھارت نے ممبئی کی دہشت گردی کو جیسے عالمی سطح پر دکھایا وہ بلاشبہ بھارتی ریاست چلانے والوں کی بہترین سوچ کا آئینہ دار ہے' خوبی دشمن میں بھی ہو تو تسلیم کرنی چاہیے یہی اعلیٰ ظرفی ہے۔ دوسری طرف ہماری حالت یہ تھی کہ ہم بھارتی جاسوس پکڑ کر بھی بھارت کو عالمی سطح پر بیک فٹ پر نہ لا سکے، سابقہ حکومت تو اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ ریاست چلانا انتہائی زیرک اور فطین انسانوں کا کام ہوتا ہے یہ ذمہ داری بیوقوفوں کے سپرد نہیں کی جاتی۔ میں لندن میں صحافت کی ڈگری کر رہا تھا تو ہمیں سوشل میڈیا کی ابتداء اور اس کے اثرات کے بارے میں یونیورسٹی میں پڑھایا جا رہا تھا جب ٹویٹر کی بات کی گئی تو اس کی پہلی کامیاب مثال کے طور پر ممبئی دہشت گردی کے واقعہ کو پیش کیا گیا کہ کس طرح وہاں موجود لوگوں نے سوشل میڈیا کے ذریعہ پیغام رسانی کر کے اپنی خیریت سے آگاہ بھی کیا اور دہشت گردوں تک حساس اداروں اور سیکیورٹی اہلکاروں کو رسائی حاصل کرنے میں مدد بھی فراہم کی۔

عالمی سطح پر میڈیا پر کنٹرول یہودیوں کے پاس ہونے کی وجہ سے فلسطین کے مظالم بھی پیش نہیں کیے گئے جیسے ہونے چاہئیں۔ کشمیر کے معاملے میں بھی عالمی میڈیا کا کردار ایک سوالیہ نشان ہے، گزشتہ دو برسوں میں کم از کم ایک تبدیلی یہ ضرور نظر آئی کہ اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کے اجلاس میں وزیر اعظم عمران خان نے کشمیر اور فلسطین کے ایشوز پر کھل کر بات کی۔ میڈیا دراصل ایک منافع بخش کاروبار بن چکا ہے جسے سرمایہ دار اپنی مرضی کے مطابق چلا رہے ہیں۔ جرنلزم میں تو عوام کی دلچسپی کو مدنظر رکھ کر نیوز ایجنڈ ا بنایا جاتا ہے مگر میرے ذاتی مشاہدے سے اس کی تعریف کچھ اور ہی طرح ہے۔ میرے خیال میں

Journalism is based on public interest and capitalism based on self -interest. If we try to put both things together, it's not the public interest that wins.

انفارمیشن ٹیکنالوجی دور میں بین الاقوامی معاملات کے علاوہ ملکی معاملات بھی میڈیا سے براہ راست جڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت سابقہ وزیر اعظم کرپشن کے جرم میں عدالت سے سزا یافتہ ہے اور علاج کی غرض سے لندن قیام پزیر ہے۔ گزشتہ دنوں انہوں نے ایسی تقریر اور بیان بازی کی جس سے بھارتی میڈیا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے بعد الطاف حسین کی طرح ان کی کوریج پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ میاں صاحب کے چند لاڈلے صحافی اسے آزادی رائے پر پابندی کہہ رہے ہیں۔ ایسا ہی ردعمل اس وقت بھی دیکھنے میں آیا تھا جب

میاں صاحب کا نام پانامہ سکینڈل میں آیا تھا۔ دراصل ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کی شفاف اور غیر جانبدار تحقیقات فوری شروع ہو جاتیں لیکن اس وقت بھی میڈیا میں موجود کالی بھیڑوں اور ان کے سرمایہ دار مالکان نے پیسہ بنانے کے لیے کرپشن کا دفاع عدالتی کارروائی ہونے سے پہلے ہی شروع کر دیا۔ کچھ قومی اخباروں نے پہلے صفحے پر ان کی بے گناہی کے آدھے آدھے صفحے کے اشتہارات دے کر ''پورا پورا معاوضہ'' لینا شروع کر دیا۔ آج بھی سوشل میڈیا پر میاں صاحب کا دفاع اور حمایت ایسے کی جارہی ہے جیسے وہ عدالت سے کلین چٹ لے کر لندن سیر و تفریح کرنے آئے ہیں۔ ہمارے ملک کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم شخصیت پرستی میں اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ اپنے ''آقا'' کے ہر فعل کا دفاع کرنا قومی فریضہ سمجھتے ہیں۔ جہانگیر ترین، علیمہ خان، آصف علی زرداری، جنرل (ر) عاصم باجوہ، آل شریف یا کسی مذہبی و سیاسی رہنماء پر کوئی الزام لگے تو اس کے دفاع میں اس کے حمایتی نکل آتے ہیں۔ امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن کب واٹر گیٹ سکینڈل کی زد میں آئے تو ان کی حمایت یا دفاع میں انکا کوئی ووٹر، سپورٹر، یا سیاسی رہنماء میدان میں نہ آیا۔ برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کا نام بھی پانامہ پیپرز میں آیا تو انہوں نے اپنی صفائی پارلیمنٹ ہاؤس میں خود دی مگر ان کی طرف داری کے لیے کوئی سیاسی رہنماء، میڈیا پرسن یا سپورٹر نظر نہ آیا۔ جرمنی کے سابق وزیر دفاع Karl-Theodor zu Guttenberg پر جب پی ایچ ڈی کے مکالے میں Plagiarism کا الزام لگا تو ان کے دفاع میں بھی کو سیاسی رہنماء یا سیاسی رہنماء باہر نہیں نکلا بلکہ ان کو استعفی دے کر گھر جانا پڑا۔ جرمنی کے شہر Regensburg کے سابقہ میئر Hans Schaidlinger جو اٹھارہ برس سے لگاتار میئر منتخب ہو رہے تھے، ان پر کرپشن کا الزام لگا تو جرمن چانسلر انجیلا میرکل کے قریبی ساتھی ہونے کے باوجود کسی سیاسی رہنماء نے ان کا دفاع نہ کیا بلکہ ان کی بیوی نے شرمندگی کا اظہار کیا کہ وہ ایک بدعنوان بندے کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ مہذب معاشروں میں جس پر الزام لگے وہی اس کا جواب دیتا ہے، باشعور عوام یہی کہتی ہے کہ جناں کھادیاں گاجراں ٹڈ اوناں دے پیڑ۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں میڈیا کا نیوز ایجنڈا ایسے سیٹ کیا جاتا ہے کہ کسی ''بڑے'' پر کرپشن کا الزام لگے تو اس کا دفاع عدالتی کارروائی سے پہلے شروع کر دیتے ہیں۔

ملک بھر میں ٹی وی چینلز کی سینچری مکمل ہونے کے بعد تعداد میں تو ہم خود کفیل ہو گئے ہیں مگر معیار گرتا جا رہا ہے۔ میں ایسے ایسے بندوں کو بھی نجی ٹی وی چینلز کا لوگو پکڑ کر دیاڑی لگاتے دیکھ چکا ہوں جن کا صحافت تو کیا کبھی قلم سے تعلق بھی نہیں رہا۔ مگر وہ میڈیا مالکان کی منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور ان کے لیے بھی روٹی ''روزی'' کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ صبح کا آغاز ہی مارننگ شوز کے نام سے ہوتا جس میں صحافتی اقدار کی ہی نہیں ہماری تہذیب و تمدن کی بھی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ اور غضب خدا کا یہ مارننگ شوز بھی مولا جٹ فلم کی طرح طویل دورانیے کے ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ گیارہ مہینے چوہے کھانے کے بعد رمضان میں حج کرنے آجاتے ہیں۔ اس کام میں ملاں بھی داڑھیوں میں افشان لگا کر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں پچاس سے زائد بریکنگ نیوز دینے کا وائیرس بھی خطرناک حد تک پھیل چکا ہے۔ جرائم پر پروگرامز کی بھرمار سے گھر بیٹھے جرائم کے نئے نئے طریقے بھی سیکھانے کا مکمل انتظام کیا جا رہا ہے۔ نیوز بلیٹن دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک میں کوئی مثبت کام نہیں ہو رہا جس سے ملکی ساکھ عالمی سطح پر متاثر ہوتی ہے۔ میڈیا کا کام عوام کو انفارمیشن، انٹرٹینمنٹ اور ایجوکیشن دینا ہے کبھی وقت تھا نیلام گھر اور کسوٹی جیسے پروگرامز ہوتے تھے آج ان کی

جگہ ایسے پروگرامز ہورہے جن پر ایک مرتبہ مرحوم طارق عزیز نے بھی افسوس کا اظہار کیا تھا۔ مہ پارہ صفدر، شائستہ زید، ارجمند شاہین، اظہر لودھی جیسے لوگ جب خبریں پڑھتے تھے تو ان سے تلفظ اور ادائیگی سیکھنے کو ملتی تھی آج نیوز کاسٹر کا تلفظ بھی ایسا ہی ہے جیسے ٹکر چل رہے ہوتے ہیں۔ میڈیا کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ صرف منفی چیزیں دکھا کر لوگوں کو ذہنی بیمار نہ کرے بلکہ مثبت چیزیں بھی دکھائے جس سے خبروں میں بیلنس بھی آئے گا اور ملک کی سافٹ امیج بھی ابھرے گی اس کے لیے ہوسکتا ان کے بینک بیلنس کو کچھ فرق پڑے لیکن ذمہ داری بہر حال پوری ہوجائے گی۔ ریٹنگ کے سرطان میں مبتلا بے لگام میڈیا صحافتی اصولوں، قدروں اور قوانین کی بھی پاسداری نہیں کرتا۔ کسی غریب کی بیٹی یا بچے سے زیادتی ہوجائے، دہشت گردی یا کوئی سانحہ یا حادثہ رونما ہوجائے تو بھی انسانیت کو بھول کر رپورٹنگ کی جارہی ہوتی ہے۔ ایدھی صاحب کی وفات پر تو ایک ٹی وی رپورٹر قبر میں لیٹ کر رپورٹنگ کرتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ تفریح کے نام پر بے ہودگی اور گھریلو مسائل کے علاوہ کوئی موضوع نہیں ملتا جس پر ڈرامہ بنایا جائے۔ اپنے حساس اداروں اور فوج کی کردار کشی جیسے کام بھی میڈیا ایسے کرتا ہے جیسے ان کے تعلق بھارت سے ہے، اب تو اس کام میں سابق وزیراعظم نواز شریف بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ جرنیلوں اور ججوں کو خبروں کا لازمی حصہ بنا کر ان کو سیاسی بنا کر رکھ دیا ہے حالانکہ مہذب معاشروں میں کوئی چیف جسٹس یا آرمی چیف کا نام تک نہیں جانتا مگر ان کا کام سب کو نظر آتا ہے۔ قومی ہیروز کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں اور چور ڈاکو لٹیروں کو ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس وقت ہماری ملک کی زیادہ آبادی نوجوان طبقے پر مشتمل ہے اگر میڈیا نے اپنا رویہ نہ بدلا تو آنے والی نسل کی سوچ وہی ہوگی جو میڈیا یا میڈیا کو چلانے والے چاہتے ہیں۔ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ سرمایہ دار طبقہ کبھی نہیں چاہے گا کہ ملک یا دنیا میں سرمائے کی تقسیم منصفانہ یا مساویانہ ہو۔ وہ سرمائے کے بل بوتے پر میڈیا کو کنٹرول کیے ہوئے ہیں اور میڈیا ان کی غلامی میں عام انسانوں کی سوچ کا زاویہ مخصوص اور محدود کرنے کی کوشش میں ہیں اور یہ سب کچھ اتنی دیر تک ہوتا رہا گا جبکہ تک میڈیا کی جیب میں سرمایہ داری سکے گر رہے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

05-10-2020